امتحانی مشق نمبر 1

(یونٹ 1 تا 4)

سوال 1- دبستان لکھنو کی نمایاں شعری خصوصیات پر روشنی ڈالیں۔ (20)

سوال 2- خواجہ حیدر علی آتش دبستان لکھنو کا نمائندہ شاعر ہے؟ تائید یا تردید کریں۔ (20)

سوال 3- جدید اردو نظم کے آغاز وارتقا پر مفصل نوٹ لکھیں۔ (20)

سوال 4- میر انیس کی مرثیہ گوئی کی خصوصیات شعری حوالوں کے ساتھ بیان کریں۔ (20)

سوال 5- مثنوی کے اہم اجزا کون سے ہیں؟ تفصیلاً بیان کریں۔ (20)

ANS 01

دبستان لکھنؤ سے مراد شعر و ادب کا وہ رنگ ہے جو لکھنؤ کے شعرائے متقدمین نے اختیار کیا اور اپنی بعض خصوصیات کی بنا پر وہ رنگ ,قدیم اردو شاعری اور دہلوی شاعری سے مختلف ہے۔ جب لکھنؤ مرجع اہل دانش و حکمت بنا تو اس سے پہلے علم وادب کے دو بڑے مرکز دہلی اور دکن شہرت حاصل کر چکے تھے۔ لیکن جب دہلی کا سہاگ لٹا۔ دہلی میں قتل و غارت گری کا بازار گرم ہوا تو دہلی کے اہل علم و فضل نے دہلی کی گلیوں کو چھوڑنا شروع کیا جس کی وجہ سے فیض آباد اور لکھنؤ میں علم و ادب کی محفلوں نے فروغ پایا۔

پس منظر

سال 1707ء اورنگزیب عالم گیر کی موت کے بعد مغل سلطنت کا شیرازہ بکھر گیا۔ اُن کے جانشین تخت کے لیے خود لڑنے لگے۔ ان نااہل حکمرانوں کی وجہ سے مرکز مزید کمزور ہوا۔ اور باقی کسر مرہٹوں، جاٹوں اور نادرشاہ افشار اور احمد شاہ ابدالی کے حملوں نے پوری کر دی۔ سال 1722ء میں بادشاہ دہلی نے سعادت علی خان کو اودھ کا صوبیدار مقر ر کیا۔ مرکز کی کمزوری سے فائد ہ اٹھاتے ہوئے جلد ہی سعادت علی خان نے خود مختاری حاصل کر لی۔ اور اودھ کی خوشحالی کے لیے بھر پور جدوجہد کی جس کی بنا پر اودھ میں مال و دولت کی فروانی ہوئی۔ صفدر جنگ اور شجاع الدولہ نے اودھ کی آمدنی میں مزید اضافہ کیا اور عوام کی فلاح و بہبود کے لیے کوششیں کیں۔ آصف الدولہ نے مزید اس کام کو آگے بڑھایا۔ لیکن دوسری طرف دہلی میں حالات مزید خراب ہوتے گئے۔ امن و سکون ختم ہو گیا۔ تو وہاں کے ادباءو شعراءنے دہلی چھوڑنے میں ہی عافیت سمجھی۔ اور بہت سے شاعر لکھنؤ میں جا کرآبا د ہوئے۔ جن میں میرتقی میر بھی شامل تھے۔ دولت کی فروانی، امن و امان اور سلطنت کے استحکام کی وجہ سے اودھ کے حکمران عیش و نشاط اور رنگ رلیوں کے دلدادہ ہوگئے۔

Downloaded From Talassus.com

شجاع الدولہ کو عورتوں سے خصوصی رغبت تھی جس کی بناء پر اس نے محل میں بے شمار عورتوں کو داخل کیا۔ حکمرانوں کی پیروی امراء نے بھی کی اور وہ بھی اسی رنگ میں رنگتے گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بازاری عورتیں ہر گلی کوچے میں پھیل گئیں۔ غازی الدین حیدر اور نصیر اور نصیر الدین حیدر نے آباءو اجداد کی پیروی جاری رکھی اور واجد علی شاہ نے تو اس میدان میں سب کو مات دے دی۔ سلاطین کی عیش پسندی اور پست مذاقی نے طوائف کو معاشرے کا اہم جز بنا دیا۔ طوائفوں کے کوٹھے تہذیب و معاشرت کے نمونے قرار پائے جہاں بچوں کو شائستگی اور آداب محفل سکھانے کے لیے بھیجا جانے لگا۔

شعرو ادب پر اثرات

عیش و نشاط، امن و امان اور شان و شوکت کے اس ماحول میں فنون نے بہت ترقی کی۔ راگ رنگ اور رقص و سرور کے علاوہ شعر و شاعری کو بھی بہت مقبولیت حاصل ہوئی۔ دہلی کی بدامنی اور انتشار پر اہل علم و فن اودھ اورخاص کر لکھنؤ میں اکٹھا ہونا شروع ہوگئے۔ یوں شاعری کا مرکز دہلی کی بجائے لکھنؤ میں قائم ہوا۔ دربار کی سرپرستی نے شاعری کا ایک عام ماحول پیدا کر دیا۔ جس کی وجہ سے شعر و شاعری کا چرچا اتنا پھیلا کہ جابجا مشاعرے ہونے لگے۔ امرا ء، رؤساء اور عوام سب مشاعروں کے دیوانے تھے۔ ابتداء میں شعرائے دہلی کے اثر کی وجہ سے زبان کا اثر نمایاں رہا لیکن، آہستہ آہستہ اس میں کمی آنے لگی۔ مصحفی اور انشاءکے عہد تک تو دہلی کی داخلیت اور جذبات نگاری اور لکھنؤ کی خارجیت اور رعایت لفظی ساتھ ساتھ چلتی رہیں۔ لیکن آہستہ آہستہ لکھنؤ کی اپنی خاص زبان اور لب و لہجہ بھی نمایاں ہوتا گیا۔ اور یوں ایک نئے دبستان کی بنیاد پڑی جس نے اردو ادب کی تاریخ میں دبستان لکھنؤ کے نام سے ایک مستقل باب کی حیثیت اختیار کر لی۔

دبستان لکھنؤ

دلی اور لکھنؤ کے فرق اور امتیازات کو سب سے پہلے ناسخ نے متعین کیا اور ان خصوصیات کو اپنی شاعری میں ملحوظ خاطر رکھا شاید یہی وجہ ہے کہ ناسخ کو دبستان لکھنؤکا بانی کہا جاتا ہے ۔ سید وقار عظیم نے لکھنوی دبستان شعر کی مندرجہ ذیل خصوصیات قرار دی ہیں تکلف اور تصنع، محسوسات کی سادگی اور واردات کی سچائی کی بجائے رنگینی اور فکر کی باریک بینی۔لفظی صنعت گری، دوراز کار استعارے اور تشبیہیں، سخت اور سنگلاخ زمینیں، پر شکوہ الفاظ اور تراکیب، دل کی بجائے دماغ سے تخاطب، لب و لہجہ میں ہلکا پن جو بار بار بدمستی ہوسنا کی عریانی پر منتج ہوتا ہے. ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی نے باعتبار زبان لکھنوی شاعری کی حسب ذیل امتیازی خصوصیات گنوائی ہیں:

Downloaded From Tajassus.com

عربی وفارسی الفاظ کاکثرت استعمال

قافیہ پیمائی:

طویل غزل سے غزل کو فائدے کے بجائے یہ نقصان ہوا کہ بھرتی کے اشعار غزل میں کثرت سے شامل ہونے لگے۔ شعرانے زور کلام دکھانے کے لیے لمبی ردیفیں اختیار کرنی شروع کر دیں جس سے اردو غزل میں غیر مستعمل قافیوں اور بے میل ردیفوں کا رواج شروع ہوا۔ معمولی قافیوں اور ردیفوں کو حقارت کی نظر سے دیکھا جا نے لگا۔ اس سے قافیہ پیمائی کا رواج شروع ہوا۔ ذیل میں بے میل ردیفوں سے قافیوں کی چند مثالیں درج ہیں۔

انتہائی لاغری سے جب نظرآیا نہ میں

ہنس کر کہنے لگے بستر کو جھاڑا چاہیے

فوج لڑکوں کی جھڑے کیوں نہ توڑا تڑ پتھر

ایسے خبطی کو جو کھائے ہے کڑا کڑ پتھر

لگی غلیل سے ابرو کی، دل کے داغ کو چوٹ

پر ایسے ہی کہ لگے تڑ سے جیسے زا غ کو چوٹ

بات طویل غزلوں اور، بے میل ردیفوں اور قافیوں تک ہی محدود نہیں رہی بلکہ شعرا لکھنو نے اپنی قادر الکلامی اور استادی کا ثبوت دینے کے لیے سنگلاخ زمینوں میں بھی طبع آزمائی کی.

طویل غزلیں:

لکھنوی شاعری کی ایک اور نمایاں بات طویل غزلیں ہیں۔ اگرچہ اس میں شبہ نہیں کہ ابتدا جرات مصحفی نے کی جو دلی دبستا ن سے تعلق رکھتے تھے۔ جو دلی کی تباہی کے بعد لکھنؤ جا بسے تھے۔ لیکن لکھنوی شعرا نے اس کو زیادہ پھیلایا اور بڑھایا اور اکثر لکھنوی شعرا کے ہاں طویل غزلیں بلکہ دو غزلہ اور سہ غزلہ کے نمونے ملتے ہیں۔اس کا سبب یہ بتایا جاتا ہے۔ کہ لکھنؤ کے اس دور میں پرگوئی اور بدیہہ گوئی کو فن قرار دے دیا گیا تھا۔ نیز لوگ قافیہ پیمائی کو عیب نہیں سمجھتے تھے۔ اس لیے طویل غزلیں بھی لکھی جانے لگیں چنانچہ ۵۲-۰۳۱ اشعار پر مشتمل غزلیں تو اکثر ملتی ہیں۔ بلکہ بقول ڈاکٹر خواجہ زکریا بعض اوقات اس سے بھی زیادہ طویل غزلیں بھی لکھی جاتی تھیں۔

نسائیت:

ڈاکٹر ابوللیث صدیقی نے لکھنوی دبستان کی شاعری کاایک اہم عنصر نسائیت بتایا ہے۔ ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ ہر زمامے ہر قصہ اور ہر زبان میں ,عورت, شاعری کا بڑا اہم موضوع رہا ہے۔ لیکن لکھنؤ کی سوسائٹی میں عورت کو اہم مقام حاصل ہو گیا تھا۔ اس نے ادب پر بھی گہرا اثرا ڈالا۔ اگر یہ عورتیں پاک دامن اور عفت ماب ہوتیں تو سوسائٹی اور ادب دونوں پر ان

Downloaded From Tajassus.com

کا صحت مند اثر پڑتا لیکن یہ عورتیں بازاری تھیں۔ جو صرف نفس حیوانی کو انگیخت کرتی تھیں۔ جبکہ دوسری طرف عیش و عشرت اور فراغت نے مردوں کو مردانہ خصائل سے محروم کرکے ان کے مردانہ جذبات و خیالات کو کمزور کر دیا تھا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مردوں کے جذبات خیالات اور زبان پر نسائیت غالب آگئی۔ چنانچہ ریختہ کے جواب میں ریختی تصنیف ہوئی۔ اس کا سہرا عام طور پر سعادت یا ر خان رنگینؔ کے سر باندھا جاتا ہے۔ رنگینؔ کے بعد انشا اور دوسرے شعرا نے بھی اسے پروان چڑھایا۔ ان شعرا کے ہاں ریختی کے جو نمونے ملتے ہیں ان میں عورتوں کے فاحشانہ جذبات کو ان کے خاص محاوروں میں جس طرح ان لوگوں نے نظم کیا ہے وہ لکھنؤ کی شاعری اور سوسائٹی کے دامن پر نہ مٹنے والا داغ بن کر رہ گیا ہے۔

رعایت لفظی:

دبستان لکھنؤ کی ایک اور خصوصیت رعایت لفظی بتائی جاتی ہے اس پہلو کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا لکھتے ہیں۔

لکھنؤ کا معاشرہ خوش مزاج، مجلس آرا اور فارغ البال لوگوں کا معاشرہ تھا۔ مجلس زندگی کی جان, لفظی رعایتیں ہوتی ہیں۔ مجلوں میں مقبول وہی لوگ ہوتے ہیں جنہیں " زبان پر پوری قدرت ہو اور لفظ کا لفظ سے تعلق، اور لفظ کا معنی سے رشتہ پوری طرح سمجھتے ہوں۔ لفظی رعایتیں محفل میں تفریح کا ذریعہ ہوتی ہیں، اور طنز کو گوارا بناتی ہیں۔ لکھنؤ میں لفظی رعایتوں کا از حد شوق تھا۔ خواص و عوام دونوں اس کے بہت شائق تھے۔ رؤسا اور امرا تک بندیاں کرنے والوں کو باقاعدہ ملازم رکھا کرتے تھے۔ ان ہی اسباب کی بنا پر لکھنوی شاعری میں رعایت لفظی کی بہتات ہے اور لفظی رعایتیں اکثر مفہو م پر غالب آجاتی ہیں۔ بلکہ بعض اوقات محض لفظی رعایت کو منظوم کرنے کے لیے شعر کہا جاتا تھا۔ مثال کے طور پر

ہندو پسر کے عشق کا کشتہ ہوں باغباں
لالہ کا پھول رکھنا امانت کی گور پر

غسل کرلے یہیں دریا میں نہانے کو نہ جا
مچھلیاں لپٹیں گی اے یار تیرے بازوسے

وصل کی شب پلنگ کے اوپر
مثل چیتے کے وہ مچلتے ہیں

قبر کے اوپر لگایا نیم کا اس نے درخت
بعد مرنے کے میری توقیر آدھی رہ گئی

Downloaded From Tajassus.com

تشبیہ واستعارات میں پیچ داریکی

گرچہ تشبیہ اور استعارے کا استعمال ہر شاعر کرتا ہے لیکن یہ چیز اس وقت اچھی معلوم ہوتی ہے جب حد اعتدال کے اندر ہو۔ شعرا دلی کے ہاں بھی اس کا استعمال ہوا لیکن لکھنؤ والوں نے اپنی رنگین مزاجی کی بدولت تشبیہوں کا خوب استعمال کیا اور اور ان میں بہت اضافہ کیا۔ محسن کاکوروی، میرانیس، نسیم، دبیر، نے پرکیف، عالمانہ اور خوب صورت تشبیہیں برتی ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ کئی شعرا صرف تشبیہ برائے تشبیہ بھی لے آئے ہیں جس سے کلام بے لطف اور بے مزہ ہو جاتا ہے۔

سبزہ ہے کنارے آب جو پر
یاخضر ہے مستعد وضو پر

محو تکبر فاختہ ہے
قد و قامت سر و دلربا ہے

کیاری ہر ایک اعتکاف میں ہے
ساقی کی مست آنکھ پہ دل ٹوٹ جاتے ہیں اور آب رواں طواف میں ہے

شیشے جھکے ہوئے ہیں پیالوں کے سامنے
آگیا وہ شجر حسن نظر جب ہم کو

بوسے لے کے لب شریں کے چھوڑے توڑے
مستی میں زلف یارکی جب لہر اگی

بوتل کا منہ ہمیں دہن مار ہوگیا

محاورات والفاظ کااستعمال

دبستان دلی سے وابستہ شاعر اور ادیبوں کی تحریروں میں روز مرہ بکثرت ملتا ہے۔ کیونکہ دبستان دلی کی بنیاد ہی سادگی اور سلاست پر ہے۔ اس کے برعکس دبستان لکھنؤ والے تکلف، تصنع، تشبیہ، استعارات سے عبارت کو سجاتے ہیں۔ جس سے اصل مقصد و مطلب قاری کی نگاہ سے اوجھل ہوجاتا ہے۔ مثال کے طور پر نثر میں اس فرق کا بہترین نمونہ میر امن کی شہرہ آفاق تصنیف ''باغ و بہار'' اور رجب علی بیگ سرور کی ''فسانہ عجائب'' ہے۔ شاعری میں میر تقی میر اور آتش لکھنوی اس کی بہترین مثال ہیں۔ محاورے دونوں استعمال کرتے ہیں، دبستان لکھنؤ والے بھی اور دبستان دلی والے بھی۔ لیکن یہاں بھی ایک فرق بہت واضح ہے۔ وہ یہ کہ ''دبستان لکھنؤ'' والے محاوروں کا استعمال غیر ضروری طور پر محض شوقیہ کرتے ہیں۔ جب کہ ''دبستان دلی'' والے صرف وہیں محاورہ استعمال کرتے ہیں جہاں ضروری ہو

Downloaded From Tajassus.com

ابتذال اور عریانی

محبوب کے بیان میں عریانی وہرزہ گوئی کی جو حدیں جرات وانشاء کے کلام سے شروع ہو ئی, ناسخ اوران کے شاگرد انہیں رکاکت وابتذال اورغلو کی حدتک لے گیے_لکھنوی شاعروں نے نہ صرف محبوب کے جسم کاایک ایک عضوگناشروع کیابلکہ اسے چوٹی سے ایڑی تک بے نقاب کرڈالا__ اس ساری بحث سے ہر گز یہ مقصود نہیں کہ لکھنوی شعراء کے ہاں اعلی درجے کی ایسی شاعری موجود نہیں جو ان کے سوز و گداز جذبات اور احساسات اور واردات قلبیہ کی ترجمان ہو۔ تمام نقادوں نے اس بات کی تائید کی ہے بلکہ عذلیب شادنی جنہوں نے لکھنوی شاعری کے خراب پہلوئوں کو تفصیل کے ساتھ نمایاں کرکے پیش کیا ہے وہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ شعرائے لکھنؤکے ہاں ایسے اشعار کی کمی نہیں جو پڑھنے والے کے دل پر گہرااثر چھوڑتے ہیں۔ ایسے نمونے ناسخؔ اور آتشؔ کے علاوہ امانتؔ اور رندؔ وغیرہ کے ہاں سب سے زیادہ ملتے ہیں۔ یہاں اس بات کے ثبوت میں مختلف شعرا کے کلام سے کچھ مثالیں

رشک سے نام نہیں لیتے کہ سن لے نہ کوئی
دل ہی دل میں اسے ہم یاد کیا کرتے ہیں

تاب سننے کی نہیں بہر خدا خاموش ہو
ٹکڑے ہوتا ہے جگر ناسخ تیری فریاد سے

آئے بھی لوگ بیٹھے بھی اٹھ بھی کھڑے ہوئے
میں جاہی ڈھونڈتا تیری محفل میں رہ گیا

کسی نے مول نہ پوچھا دل شکستہ کا
کوئی خرید کے ٹوٹا پیالہ کیا کرتا

بتوں کے عشق میں کیا جی کو اضطراب دیا
یہ دل دیا کہ خدا نے مجھے عذاب دیا

دل نے شب فرقت میں کیا ساتھ دیا میرا
مونس اسے کہتے ہیں غم خوار اسے کہتے

آعندلیب مل کے کریں آہ و زاریاں
تو ہائے گل پکار میں چلاؤں ہائے دل

ہم اسیروں کو قفس میں بھی ذرا چین نہیں
روز دھڑکا ہے کہ اب کون رہا ہوتا ہے

حرم کو اس لیے اٹھ کر نہ بتکدے سے گئے
خدا کہے گا کہ جور بتاں اٹھا نہ سکا

Downloaded From Tajassus.com

مولاناعبدالسلام ندوی رر شعرالہند،،میں لکھنؤکی شاعری کاجائزہ لیتےہوئےرقم طرازہیں:
لکھنؤکےشعراکےدواوین سےعورتوں کےزیورات وپوشاک اورسامان آرائش کی مفصل فہرست مرتب کی جاسکتی ہے,زنانہ ا لفاظ ومحاورات کےغلبہ سےبھی اندازہ ہوتاہےکہ معاشرہ کےاعصاب پرعورت کس طرح سوارتھی اوروہ عورت کس مزاج وافتادطبع اوراخلاقی رتبہ کی حامل تھی, معاشرہ کےاسی ذوق اوراس شعری اورادبی رجحان کاسلسلہ وہ ابتذال اورمعاملہ بندی سےملاتےہیں,نسائیت وفحش گو ئی پرریختی کی بنیادپڑی,جس میں پیشہ ورعورتوں کےمستبذل جذبات بازاری وعامیانہ زبان میں ا داہوتے ہیں.بطورنمونہ چنداشعارملاحظہ ہوں:

دیکھناکیاحسن کی دولت کاکوٹھاتوڑکر
نکلی ہیں سرپرلیےدوبدرہ زرچھاتیاں

کس قدرصاف ہےتمہاراپیٹ
صاف آئینےکاہے سارا پیٹ

وہ توآنچل سےدوپٹے کوچھپاتےہیں بہت
ہےیہ جوبن نکلی ہی پڑتی ہیں باہرچھاتیاں

سمجھوں نہ حباب آپ کےپستانوں کوکیوں کر
دریاشکم صاف ہے دریاکا بھنور ناف

کیاچکنےہیں,کیاصاف ہیں ,کیاگول سریں ہیں
بےجرم ہیں,نایاب ہیں,ان مول سریں ہیں

زانوں کی طرح صاف ہیں اوس حور کی ساقیں
آئینے کی رانیں ہیں تو بلور کی ساقیں

ANS 02

ایک اور خصوصیت جو آتش کو دبستان لکھنؤ سے وابستہ رکھتے ہوئے بھی اس دبستان سے دور کر لیتی ہے وہ ان کے کلام کی سادگی سلاست بے ساختگی، برجستگی، روانی، صفائی، شفافیت اور سہل و عام فہم پیرایۂ بیان ہے - یہ پہلو اس لیے بھی اہمیت رکھتے ہیں کہ دبستان لکھنؤ میں، تصنع، بناوٹ، معاملہ بندی، رعایت لفظی، اچھی بری صنعتوں کا موقع بے موقع استعمال، دو راز کار تشبیہات و استعارات اور نزاکت بیان وغیرہ کو اہمیت دی جاتی تھی - آتش نے جس طرح سادہ، اور بے ریا زندگی گزاری اور فطری انداز میں زیست کی اس طرح ان کے کلام کا بڑا حصہ بھی اس کا آئینہ دار ہے- ان کی غزلوں کے دو دیوان ہیں- پہلا دیوان ضخیم ہے اور دوسرے دیوان کا حجم پہلے دیوان کے ایک چوتھائی سے بھی کم ہے - اگر ان کی غزلوں سے ایسے اشعار علاحدہ کر کے مطالعہ کیے جائیں تو محسوس ہی نہیں ہو گا کہ یہ کسی

Downloaded From Tajassus.com

لکھنوی شاعر کا کلام ہے، ان اشعار میں زبان صاف اور آسان ہے، جذبات کی فراوانی اور احساس کی شدت ایسی ہے کہ " سینۂ شمشیر سے باہر ہے دم شمشیر کا " والی کیفیت محسوس ہوتی ہے -اور ہرشعر سے آ تش کی انفرادیت جلوہ گر ہوتی ہے:

بت خانہ(مندر) کھود ڈالو ، مسجد کو ڈھائے
دل کو نہ توڑو کہ خدا کا مقام ہے

دوستوں(یار) سے اس قدر صدمے(برداشت) اٹھائے جان پر
دل سے رقیب کی دشمنی (عداوت) کا گلہ جاتا رہا

حالت نزع ہے صورت کوئی بچنے کی نہیں
اٹھ گیا رو کے جو آیا ترے بیمار کے پاس

بہ اشتیاق ، شہادت میں محو تھا دم قتل
لگے ہیں گھاؤ جسم پر کہاں نہیں معلوم

- خواجہ حیدر علی آتش کی حالات زندگی

ان اشعار سے اس امر کا انداز ہوتا ہے کہ آتش کی فکر روشن بھی ہے اور دل کش بھی - ان کے ہاں جذبات اور تخیلات ایک جان دو قالب ہو جاتے ہیں اور حقیقت بھی یہی ہے کہ شاعری ہی نہیں کسی بھی فن لطیف میں جب جذبات اور تخیلات یک جا ہو جاتے ہیں تو فنکارانہ نقش گری کامیاب ہو جاتی ہے، شاعری نکھر جاتی ہے، دیکھنے اور پڑھنے ہی میں دل آویز محسوس نہیں ہوتی، دلوں میں اتر جاتی ہے، حافظے میں اپنی جگہ بنالیتی ہے - آتش کے ہاں اور کئی اشعار اس نوع اور اس مزاج کے مل جائیں گے کہ پڑھتے ہوئے قاری اپنے جذبات وتخیلات کو بھی دل آویز اور معطر پاتا ہے - آتش کا ایک مشہور شعر ہے جس سے ان کے شعری اسلوب کا ایک اہم رخ سامنے آ تا ہے:

Downloaded From Tajassus.com

- خواجہ حیدر علی آتش کی غزل گوئی

یہاں وہ آتش بول رہا ہے جس کا تعلق دبستان لکھنؤ سے ہے - لیکن یہ بات بھی خاطر نشان رہے کہ آتش نے یہاں بھی اپنی امتیازی حیثیت رکھی ہے اور اپنے فکری عناصر کو تابندہ اور سرخ رو بھی، کہتے ہیں:

یہ شاعر ہے خدا(الہٰ) یا مصور پیشہ ہیں کوئی
نئے نقشے (انداز) نرالی صورتیں ایجاد(بناتے) کرتے ہیں

آتش کا ایک اور شعر ہے :
اپنے ہر شعر میں ہے معنی تہہ دار(معنی خیز) آتش
وہ سمجھے ہے جو بھی عقل (فہم ذکا) رکھتے ہیں

آتش کا یہ دعوی بے جا نہیں کہ ان کے کئی اشعار میں معنی آفرینی اور تہہ داری ملتی ہے - آتش نے اپنے مفکرانہ احساسات سے کام لیا اور اپنی غزلوں میں نئ فکری اور ذہنی جہات پیدا کیں - ان کے ہاں خواہ کوئی موضوع ہو ایسے اشعار کی کمی نہیں جن میں فکر کی جودت اور ندرت نمایاں ہے

آتش پہ ہر کیف غزل کے شاعر تھے اور اپنے صوفیانہ مزاج، علوئے فکر اور جذبات واحساسات کی ندرت کے باوجود دبستان لکھنؤ سے وابستہ تھے، اس دبستان سے تعلق خاطر رکھتے تھے- ناسخ، انشا، اور مصحفی وغیرہ سے ان کا متاثر ہونا لازمی تھا- چنانچہ ان کے یہاں لکھنوی دبستان شاعری کی خصوصیات بھی پائی جاتی ہیں - خار جیت، صناعی، محبوب کے حسن کے ظاہری لوازمات کا ذکر، تصنع، سستے اور سطحی عاشقانہ جذبات کا اظہار اور ایسی ساری باتیں جن سے لکھنؤ کا دبستان بدنام بھی ہے اور نمایاں بھی - یہاں چند شعر پیش کیے جاتے ہیں:

تری زلفوں نے بل کھایا تو ہوتا
ذرا سنبل کو لہرایا تو ہوتا

Downloaded From Tajassus.com

مشتاق (چاہ) درد عشق ہے جگر اور دل بھی ہے
کھاؤں گدھوں سی چوٹ(مار) بچاؤں کدھر کی چوٹ

بیڑا ہمارا قتل کا کیوں کر اٹھاؤ گے
کس کر کمر بندھی ہے تو درد شکم ہوا

دریا(پانی) میں غسل(نہانے) کے لیے اترا جو وہ صنم
ناقوس مچھلیوں نے بجایا حباب کا

دور سے کوچۂ دلبر کو تاکا کرتا ہوں
نہ تو دیوار کا تکیہ (ٹیک) ہے نہ در(گھر) کا پہلو

کسی کے محرم(جس سے پردہ نہیں) آب رواں کی یاد آئی
حباب کے جو برابر کوئی حباب آیا

دو راز کار تشبیہات، بعید از فہم استعاروں، مہمل اور مشکل محاوروں، کنایوں اور تلمیحوں کے لیے لکھنؤ کا دبستان شاعری معروف ہے ۔آتش کے ہاں بھی کہیں کہیں اس نوع کے استعارے، تشبیہیں وغیرہ مل جاتی ہے :

نہ پوچھ حال مرا خشک صحرا ہوں
لگا کے آگ مجھے کارواں روانہ ہوا

باغ جہاں میں کیا کہوں کیا حال ہے مرا
سوکھی ہوئی ہے جیسے درخت کہن کی شاخ

Downloaded From Tajassus.com

یہ اشارہ ہم سے ہے اس کی نگاہ ناز کا
دیکھ لو تیرِ قضا ہوتا ہے کس انداز کا

آتش کے کلام میں چند خامیاں بھی ہیں مثلا قافیہ پیمائی، عامیانہ الفاظ اور متروکات کا استعمال وغیرہ جن سے ان کے کلام کا ایک حصہ مجروح اور متاثر معلوم ہوتا ہے - بعض اشعار میں تو یہی محسوس ہوتا ہے کہ محض محاورات اور تشبیہات وغیرہ کے استعمال کے لیے یہ شعر موزوں کیے گئے ہیں - اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایسے اشعار سپاٹ اور بے رنگ ہوگئے ہیں۔ اس کے باوجود آتش کی اہمیت اس میں ہے کہ انھوں نے غزل کواپنے عہد کے تقاضوں سے ہم کنار کیا۔ فکری اور صوفیانہ عناصر سےکام لیتے ہوئے غزل کے وزن و وقار میں اضافہ کیا اور لکھنؤ کے دبستان کے مجموعی اثرات سے غزل جو نشیب کی طرف رواں تھی اس کو تھاما اور فراز کی سمت گامزن کیا۔

ANS 03

وسیع تر مفہوم میں نظم سے مراد پوری شاعری ہے۔ لیکن شاعری کے باب میں غزل کے ماسوا تمام اصناف شعر کو نظم کے زمرے میں رکھا جاتا ہے۔ ظاہر ہے مثنوی، قصیدہ، مرثیہ بھی نظم کے دائرے میں آتی ہیں -چونکہ ان اصناف کی اپنی علاحدہ شناخت قائم ہے اس لیے ہم انہیں اسی اعتبار سے پہچانتے ہیں - ان اصناف کے علاوہ بھی ہمیں ایسی نظمیں دیکھنے کو ملتی ہیں جن میں کسی موضوع پر تسلسل کے ساتھ اظہارِ خیال کیا گیا ہے۔ ان کا ایک مرکزی خیال بھی ہے۔ یہ نظمیں مختلف ہیئتوں میں دیکھنے کو ملتی ہیں۔ یہاں نظم سے مراد اسی طرز کی شاعری سے ہے۔سب سے پہلے نظم کی یہ نمایاں شکل نظیراکبرآبادی کے یہاں پورے آب و تاب کے ساتھ نظر آتی ہے۔ نظیر نے اردو نظم کو واضح شناخت عطا کی۔

اردو نظم کا ابتدائی دور

اردو نظم نگاری کا ابتدا دکن میں ہوئی۔ مذہبی اور صوفیانہ نظموں کی شکل میں اردو نظم کے ابتدائی نقوش نظر آتے ہیں۔ دکن کی بہمنی سلطنت نے اردو ادب کی خاصی پزیرائی کی - عادل شاہی اور قطب شاہی سلطنتوں نے اردو ادب کے فروغ میں بڑا نمایاں کردار ادا کیا۔ قلی قطب شاہ عبداللہ قطب شاہ ملا وجہی،غواصی، ابنِ نشاطی وغیرہ دکن کے مشہور شاعروں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ ان شاعروں اور ادیبوں کو اس عہد کے حکمرانوں کی سرپرستی حاصل تھی۔ خود بادشاہ بھی شعر و شاعری کا ذوق رکھتے تھے۔

Downloaded From Tajassus.com

ابتدا میں میں مذہبی اور صوفیانہ نظمیں بیشتر شعرا کی تخلیقات میں مثنوی کی شکل نظر آتی ہیں۔ خواجہ بندہ نواز گیسو دراز ابتدائی دور کے اہم شاعر ہیں۔ انھوں نے تصوف کے کچھ رسالے اور نظمیں تخلیق کیں۔ 'چکی نامہ' ان کی مشہور نظموں میں شمار کی جاتی ہے۔

عادل شاہی عہد میں تصوف مذہبی اور اخلاقی مضامین شاعری میں غالب نظر آتے ہیں۔ برہان الدین جانم کی نظموں میں مذہبی تعلیمات اور تصوف کے مسائل بیان کیے گئے ہیں۔ حجت البقا، وصیت الہادی، بشارت الذکر ان کی اہم نظمیں ہیں۔ برہان الدین جانم کے مرید شیخ غلام محمد داول کے یہاں تصوف اور اخلاقی مضامین کی کئی نظمیں دیکھی جاسکتی ہیں۔ چہار شہادت، کشف الانوار اور کشف الوجود میں تصوف کے مسائل بیان کیے ہیں۔

سلطان قلی قطب شاہ اردو کا پہلا صاحبِ دیوان شاعر تسلیم کیا جاتا ہے۔ قلی قطب شاہ نے غزل، قصیدہ، مرثیہ، مثنوی اور نظم میں طبع آزمائی کی۔ ان کے فکر کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ان کے کلام میں مختلف موضوعات پر نظمیں دیکھی جا سکتی ہیں۔ شب برات، عید، بسنت، برسات، اور حسن و عشق وغیرہ کا بیان بڑے دلکش انداز میں کیا ہے۔ ان کی یہ نظم دیکھیے:

میری سلونی من کو پیاری دِسے
کہ رنگ روپ میں کونلی ناری دِسے
سہے سب سہیلیاں میں بالی عجب
سر و قد ناری او تاری دِسے
سکیاں میں ڈولے نیہہ بازی سوں جب
او مکھ جوت تھے چندکی خواری دِسے
تو سب میں لتم ناری تج سم نہیں
کوئل تیری بولاں سے ہاری دِسے
تیری چال نیکی سب ہی من کو بھلے
سکیاں میں توں جوپھل بہاری دِسے
بہوت رنگ سوں آپ رنگیاں کیاں
ولے کاں ترے رنگ کی ناری دِسے
نبی صدقے قطبا پیاری سدا
سہیلیاں میں زیبا تماری دِسے

Downloaded From Tajassus.com

دکن کے شعرا میں قلی قطب شاہ کی شاعری اپنے موضوعات کے اعتبار سے بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ ان کی نظموں کے موضوعات اور عنوانات عوامی زندگی سے بہت قریب نظرآتے ہیں۔

جب ہم نظم نگاری کے ابتدائی دور پر نظر ڈالتے ہیں تو اس دور کی نظموں میں موضوعات کے لحاظ سے بڑا تنوع نظر آتا ہے۔ مذہبی خیالات، تصوف کے مسائل، حسن و عشق کا بیان، قدرتی مناظر، اور سماجی زندگی کے رسومات، میلے، تہوار وغیرہ کو شاعری کا موضوع بنایا ہے۔ اس عہد کی دکن کی شاعری میں ہندوستانی تہذیب اور طرزِ معاشرت کی بھرپور عکاسی نظر آتی ہے۔

شمالی ہند میں نظم نگاری

شمالی ہند میں اردو نظم نگاری کا ابتدا سترہویں صدی میں ہوئی۔ محمد افضل افضل اور جعفر زٹلی کے یہاں اردو نظم کے ابتدائی نمونے دیکھے جاسکتے ہیں۔اس عہد کی ایک اہم تصنیف محمد افضل افضل کی 'بکٹ کہانی' ایک سنگ میل کا درجہ رکھتی ہے۔'بکٹ کہانی' کوبارہ ماسا کی روایت میں اہم مقام حاصلہے۔ افضل نے ایک عورت کی زبانی اس کے ہجر کی کیفیات کی تصویر کشی موثر انداز میںکی ہے۔ اس نظم میں مکمل تسلسل، اثر آفرینی اور بیان میں روانی موجود ہے۔ نظم کا یہ حصہ دیکھیے:

کریں عشرت پیا سنگ ناریاں سب
میں ہی کلنپوں اکیلی ہلئے یارب
اجی ملّا مرا ٹک حال دیکھو
پیارے کے ملن کی فال دیکھو
لکھو تصویر چی آوے ہمارا
وگرنہ جلئے ہے جیوڑا بچارا
رے سیلنو تمھیں ٹونا پڑھوائے
پیا کے وصل کی دعوت پڑھوائے
ارے گھر آ اگھن میری بجھاوے
اری سکھیو کہاں لگ دکھ کہوں اے
کہ بے جاں ہورہی جاکر خبر سے
کہ نک ہوجا دولنی کو صبر دے
(بکٹ کہانی)

Downloaded From Tajassus.com

میرجعفر زٹلی اس عہد کا اہم شاعر ہے۔ جعفر زٹلی اپنے پھکڑپن اور فحش کلامی کی وجہ سے مشہور ہے لیکن انھوں نے اپنے عہد کے حقائق کو ایک مخصوص انداز میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ مغلیہ حکومت کے زوال اور دہلی کی تباہی و بدحالی کی تصویر ان کی شاعری میں دیکھی جاسکتی ہے۔ انھوں نے ظالم حاکموں، جابر حکمرانوں، بے ایمان وزیروں کو ہدفِ ملامت بنایا ہے۔ جعفر زٹلی نے طنزیہ اور ہجویہ شاعری کی ایک روایت قائم کی۔ اس عہد کے زوال اور انحطاط کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا ہے۔ اس عہد میں نوکری کی صورتِ حال کا بیان دیکھیے:

صاحب عجب بیداد ہے، محنت ہمہ برباد ہے
اے دوستاں فریاد ہے، یہ نوکری کا خطر ہے
ہم نام کیوں اسوار ہیں، روزگار سیں بیزاری ہے
یارو ہمیشہ خوار ہیں، یہ نوکری کا خطر ہے
نوکر فدائی خاں کے، محتاج آدھے نان کے
تابع ہیں بے ایمان کے، یہ نوکری کا خطر ہے

(نوکری)

اٹھارویں صدی میں اردو شاعری کا ایک اہم دور شروع ہوتا ہے۔ نواب صدرالدین محمد خاں فائز اور شاہ ظہورالدین حاتم کے دور میں اردو نظم کو بہت فروغ حاصل ہوا۔ ان شعرا کے یہاں غزلو ںکے ساتھ مسلسل نظمیں بھی بہت ہیں۔ فائز کے یہاں مختلف عنوانات کی نظمیں ہیں۔

اس عہد کے شعرا میں شاہ ظہورالدین حاتم کا مرثیہ بہت بلند ہے۔ ان کے یہاں کثیر تعداد میں نظمیںموجود ہیں۔ ان کے موضوعات میں بڑی وسعت اور رنگارنگی ہے۔ ان کی نظموںمیں حمد ونعت، حقہ، قہوہ، نیرنگیِ زمانہ، حال دل وغیرہ بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔ سید احتشام حسین فائز اور حاتم کی شاعری کے بارے میں لکھتے ہیں:

''ایک حقیقت ہے کہ ولی کے ابتدائی دور میں جو نظمیں لکھی گئیں۔ وہ مثنوی کے اندازمیں بیانیہ قصے نہیں ہیں بلکہ مختلف خارجی اور داخلی موضوعات کے شاعرانہ بیان پر حاوی ہیں۔ اگر فائز کے موضوعات زیادہ تر حسن اور اس کے تاثرات سے تعلق رکھتے ہیں تو حاتم فلسفیانہ اور مفکرانہ موضوعات کاانتخاب بھی کرتے ہیں۔ فائز زیادہ تر داخلی اور رومانوی تاثرات کا ذکر کرتے ہیں تو حاتم خارجی حالات اور زندگی پراثر کرنے والے مسائل بھی پیش کرتے ہیں۔ فائز زیادہ تر مثنوی کی ہیئت سے کام لیتے ہیں تو حاتم ان میں

Downloaded From Tajassus.com

بھی تجربے کرتے ہیں چنانچہ انھوں نے مخمس سے بھی کام لیا ہے۔'' (جدید ادب منظر پس منظر: احتشام حسین)

اس عہد میں بعض دوسرے شاعروں کے یہاں بھی نظم کے نمونے ملتے ہیں جس سے ان کی قادرالکلامی کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس دورکے بعد اردو شاعری کا وہ دور آتا ہے جسے ہم میر و سودا کا دور کہتے ہیں۔ گوکہ میر و سودا کی حیثیت نظم نگارکی نہیں ہے لیکن ان کی مثنویوں، قطعات، ہجو اور شہر آشوب کو ان کے روایتی مفہوم سے الگ کرکے دیکھیں تو اس عہد کے مسائل اور انفرادی و اجتماعی زندگی کی کشمکش کلا ندازہ ہوتا ہے۔ میر کی مختصر مثنویاں، مخمس، مسدس اور شکارنامے میں اس عہد کے سیاسی اور معاشرتی انحطاط اور اخلاقی قدروں کے زوال کی تصویر نمایاں نظر آتی ہے۔ ان تخلیقات کو نظم کے زمرے میں شمار کیے جاسکتے ہیں۔ سودا کے شہر آشوب اور ہجو میں نظم کی صفات موجود ہیں۔ سودا کا شہر آشوب اس عہد کا آئینہ ہے۔ سودا نے سیاسی سماجی معاشی زندگی کی جیتی جاگتی تصویر کشی کی ہے۔ میر و سودا کے یہاں نظم جس صورت میں موجود ہے انھیں نظم کے دائرے میں خارج نہیں کرسکتے۔ یہی دور مرثیہ نگاری کے عروج کا بھی ہے۔ انیس و دبیر کے مرثیے میں بھی نظم نگاری کی خوبیاں موجود ہیں۔

میر ، سودا، انیس و دبیر کے یہاں گرچہ ہماری زندگی اور اس عہد کے مسائل کو بیان کیا گیا ہے لیکن ان شاعروں کے یہاں خالص نظم نگاری کی طرف رجحان نظر نہیں آتا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں ان کے یہاں نظم اپنی الگ شناخت قائم نہیں کرتی۔

اس عہد میں نظم کے حوالے سے نظیر اکبرآبادی کا کوئی مدمقابل نظر نہیں آتا۔ نظیر کی شاعری اس عہد کے مجموعی مزاج سے بالکل الگ ایک نئی روایت قائم کرتی ہے۔ نظیراگرچہ غزل کے بھی شاعر تھے لیکن نظم ان کے اظہار کا بہترین ذریعہ بنی۔تنوع اور رنگارنگی کے لحاظ سے نظیر کا کلام آج بھی بے مثال ہے۔ ان کی نظموں کے مطالعہ سے ہم زندگی کے گوناگوں مشاہدات سے دوچار ہوتے ہیں۔ سماجی زندگی کے مختلف پہلو ہمارے سامنے آتے ہیں۔ رسم و رواج، کھیل کود، تہوار، بچپن، جوانی، گرمی، برسات، جاڑا، چرند و پرند، غرضیکہ ہم جس فضا اور ماحول میں سانس لیتے ہیں اس کی جیتی جاگتی تصویر سامنے آجاتی ہے۔ نظیر کی نظمیں اس عہد کے زندہ مسائل سے گہرا سروکار رکھتی ہیں۔ معاشی مسائل ہوں یا سماجی اور اخلاقی ہر موضوع پر ان کے لیے یکساں اہمیت رکھتا ہے انھوں نے اپنے گرد و پیش زندگی کو جس رنگ میں دیکھا اس پر نظمیں تخلیق کیں چنانچہ ہولی، دیوالی، عید، بسنت، برسات، جاڑا، بچپن، جوانی، بڑھاپا، تل کے لڈو، بلدیوجی کا میلہ، آٹا دال پر نظمیں موجود ہیں۔

Downloaded From Tajassus.com

دراصل نظیر کی شاعری کو کسی دائرے میں قید نہیں کیا جاسکتا۔ ہماری سیاسی سماجی تہذیبی اور سیاسی زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں جس پر نظیر کی نظر نہ گئی ہو۔ اردو نظم نگاری میں نظیر اپنی طرزِ فکر کا تنہا شاعر ہے جس کے یہاں موضوعات کی اتنی کثرت ہے۔ نظیر نے عوامی موضوعات کو عوامی زبان میں اس خوبصورتی سے پیش کیا کہ لوگوں کے نظیر کی شاعری ان کی زبان بن گئی۔نظیر کی نظم نگاری کا ایک نمونہ دیکھیے:

کیا چھوٹے کام والے، و کیا پیشہ ور نجیب
روزی کے آج ہاتھ سے عاجز ہیں سب غریب
ہوتی ہے بیٹھے بیٹھے جب آ، شام عن قریب
اٹھتے ہیں سب دکان سے کہ کر کہ یا نصیب
قسمت ہماری ہوگئی ہے اختیار بند
قسمت سے چار پیسے جنھیں ہاتھ آتے ہیں
البتہ روکھی سوکھی وہ روٹی پکاتے ہیں
جو خالی آتے ہیں وہ قرض لینے جاتے ہیں
یوں بھی نہ پایا کچھ تو فقط غم ہی کھاتے ہیں
سوتے ہیں، کر کواڑ کو اک آہ مار، بند
(مفلسی)

ٹک حرص و ہوا کو چھوڑ میاں، مت دیس بدیس پھرے مارا
قزاق اجل کا لوٹے ہے دن رات بجا کر نقارہ
کیا بدھیا، بھینسا، بیل، شتر، کیا گوئیں، بَلّا، سربھارا
کیا گیہوں، چاول، موٹھ، مٹر، کیا آگ دھواں، کیا انگارا
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائے گا، جب لاد چلے گا بنجارا
(بنجارا نامہ)

نظیر کے بعد عرصے تک نظم کی دنیا سونی ہی رہی۔ اس درمیان بعض شعرا کے یہاں نظم نگاری کی سمت میکوشش دیکھی جاسکتی ہیں لیکن اس حوالے سے کوئی نمایاں تخلیق منظر عام پر نہیں آئی۔

1857 میں ہندستان پر انگریزوں کا مکمل تسلط قائم ہونے کے بعد حکومت اور عوام کے درمیان رابطے کے لیے کئی شہروں میں انجمنوں کا قیام عمل میں آیا۔ ان انجمنوں کے اغراض و مقاصد میں علوم و فنون کی ترویج واشاعت بھی تھا۔ 21 جنوری 1865 کو

Downloaded From Tajassus.com

انجمن اشاعتِ مطالبِ مفیدہ پنجاب کا قیام عمل میں آیا۔ یہی انجمن 'انجمن پنجاب' کے نام سے مقبول ہوئی۔ محمد حسین آزاد اس انجمن سے وابستہ تھے۔ مئی 1874 میں کرنل ہالرائڈ کی سرپرستی میںموضوعاتی مشاعرہ منعقدہوا جس میں مصرع طرح کے بہ جائے موضوعاتی نظمیں پڑھی گئیں۔ ان شاعروں میں مولانا محمد حسین آزاد اور مولانا الطاف حسین حالی نے بھی اپنی نظمیں پیش کی ہیں۔ گرچہ شاعروں کا یہ سلسلہ زیادہ دنوں تک قائم نہ رہ سکا لیکن نظم نگاری کی انھیں کوششوں سے اردو نظم نگاری کے نئے دور کا آغاز ہوا ۔

نظم نگاری کی تحریک کے روحِ رواں محمد حسین آزاد اورمولانا الطاف حسین حالی تھے۔ ان حضرات نے نہ صرف یہ کہ عملی طور پر نظم نگاری کی توجہ دی بلکہ فکری اعتبار سے نظم نگاری کے لیے ایک سازگار فضا قائم کی۔ انھوں نے انجمن پنجاب کے جلسوں میں جو لکچر دیے وہ نظم نگاری کے لیے ایک منشور کا درجہ رکھتے ہیں۔آزاد نے پہلے مشاعرے میں جونظم سنائی اس کا یہ حصہ ملاحظہ کیجیے:

بوندوں میں جھومتی وہ دختروں کی ڈالیاں
اور سیر کیاریوں میں وہ پھولوں کی لالیاں
وہ ٹہنیوں میں پانی کے قطرے ڈھلک رہے
وہ کیاریاں بھری ہوئی تھالے چمک رہے
آبِ رواں کا نالیوں میں لہر مارنا
اور روئے سبزہ زار کا دھو کر سنوارنا
کوئل کا دور دور دختوں میں بولنا
اور دل میں اہلِ درد کے نشتر گھنگھولنا
گرنا وہ آبشاروں کی چادر کا زور سے
وہ گونجنا وہ باغ کا پانی کے شور سے
(ابرکرم)

نظم نگاری کے حوالے سے آزاد کی کوشش بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ آزاد نے نظم میں انقلابی تبدیلی کے خواہاں تھے۔ ان کے مقالات اور مضامین میں اردو شاعری کے متعلق خیالات دیکھے جاسکتے ہیں۔مولانا آزاد اردو نظم کا دائرہ وسیع تراور اسے ردیف و قافیہ کی قید سے آزاد کرنا چاہتے تھے۔ انھوں نے ردیف ا ور قافیہ سے آزاد نظمیں بھی کہیں۔

Downloaded From Tajassus.com

اگرچہ ایک نظم نگار کے طور پر آزاد کا مرتبہ بہت بلند نہیں۔ ان کی نظمیں بہترین نظم کا نمونہ نہ بن سکیں۔ لیکن انھوں نے نظم ہی کے لیے جو راہیں ہموار کیں اس سے نظم کو بہت فروغ حاصل ہوا۔

انجمن پنجاب کے مشاعروں میں اگرچہ مولانا الطاف حسین حالی، مولوی عمرجان دہلوی ، مرزا عبداللہ بیگ، مرزا ایوب بیگ، مرزا محمود بیگ، شاہ نواز حسین ہلہ، عطاء اللہ خاں عطا، منشی لچھمی داس برہم، مولوی گل محمد عالی، اصغر علی فقیر، ملا گل محمد عالی، منشی شیخ الٰہی بخش رفیق، مولوی فصیح الدین انجم، مفتی امام بخش رئیس، پنڈت کرشن داس طالب وغیرہ شعرا شامل ہوئے لیکن آزاد اور مولانا حالی کے مرتبے کو کوئی نہ پہنچ سکا۔ حالی آزاد کے ہم رکاب تھے۔ انجمن کی سرگرمیوں میں حصہ لیتے تھے۔ حالی نے ان مشاعروں میں کئی اہم نظمیں سنائیں۔ برکھارت، نشاطِ امید، مناظرہ رحم و انصاف، حب وطن، جیسی نظمیں انھیں مشاعروں میں سنائی گئیں۔حالی کی نظمیں زبان کی سادگی اور صفائی کے اعتبار سے بلند مقام رکھتی ہیں۔ نظم کا یہ حصہ دیکھیے:

ہیں شکر گزار تیرے برسات
انسان سے لے کے تاجمادات
دنیا میں بہت تھی چاہ تیری
سب دیکھو رہے تھے راہ تیری
تجھ سے کھلا یہ رازِ فطرت
راحت ملتی ہے بعدِ کلفت
شکریہ فیضِ عام تیرا
پیشانیِ دہر پر ہے لکھا
گلشن کو دیا جمال تونے
کھیتی کو کیا نہال تونے
(برکھارت)

ایک دن رحم نے انصاف سے جاکر پوچھا
کیا سبب ہے کہ ترا نام ہے دنیامیں بڑا
نیک نامی سے تری سخت تحیر ہے ہمیں
ہاں سنیں ہم بھی کہ ہے کون سی خوبی تجھ میں
دوستی سے تجھے کچھ دوستوں کی کام نہیں

Downloaded From Tajassus.com

آنکھ میں تری مروت کا کہیں نام نہیں
اپنے بیگانے ہیں سب تیری نظر میں یکساں
دوست کو فائدہ تجھ سے نہ دشمن کو میاں

(مناظرۂ رحم و انصاف)

یہاں حالی کی یہ نظمیں مثال کے طور پر پیش کی گئیں ہیں جو انھوں نے انجمن پنجاب کے مشاعرے میں سنائی تھیں۔ مسدس مدو و جزر اسلام، مناجاتِ بیوہ، مرثیۂ غالب، چپ کی داد وغیرہاہم نظموں میں شمار کی جاتی ہیں۔ نظم نگار کے طور پر حالی ہمارے اہم نظم نگار شاعر تسلیم کیے جاتے ہیں۔ اس نئے طرز کے مشاعرے میں بعض دوسرے شاعروں نے اچھی شاعری کے نمونے پیش کیےغلام نبی صاحب کی نظم کا یہ حصہ دیکھیے:

دکھلتی ہے بس چاندنی بھی بہار
ستارے بھی ہوتے ہیں کو ہر نثار
جدھر دیکھو عالم ہے ایک سیر کا
کہاں لطف یہ موسم غیر کا
کبھی ٹھنڈی ٹھنڈی ہے چلتی ہوا
کہیں برف پڑتی ہے بس خوشنما

(زمستان)

تیسرے مشاعرے کا موضوع ’امید‘ تھا۔الٰہی بخش رفیق نے اپنی نظم ’آئینہ امید‘ سنائی۔ نظم کا یہ حصہ دیکھیے:

کیا کیا نہیں اللفت نے تری رنگ دکھائے
اس عالم نیرنگ میں نیرنگ دکھائے
سادھا ہے محبت میں تری جوگ کسی نے
اور عشق کا بے مول لیا روگ کسی نے
پھرتا ہے کوئی حیرتِ دیدار کا مارا
جیتا ہے کہ مرتا ہے ترے پیار کا مارا
ہے سب سے نہاں تو یہ چھپاتی نہیں صورت
ہے دل میں و لیکن نظر آتی نہیں صورت
ہر راز جدا ہے ترا ہر ناز الگ ہے
خوبان جہاں سے تیرا انداز الگ ہے

Downloaded From Tajassus.com

(آئینہ امیر)

ان مشاعروں میں شریک ہونے والے شاعروں میں محمد حسین آزاد اور مولانا حالی کے علاوہ کوئی اپنی ادبی حیثیت مستحکم نہ کرسکا۔آزاد اپنی شاعری سے زیادہ اپنی فکر کی تندی و تیزی اور نثر کے اعتبار سے بلند مرتبہ رکھتے ہیں۔ گرچہ آزاد نظم میں فکری اور فنی دونوں اعتبار سے تبدیلی کی طرف قدم اٹھایا لیکن نظم نگاری کے حوالے سے آزاد کا مرتبہ بس واجبی ہی ہے۔لیکن نظم نگاری کے حوالے سے ان کی کوشش کبھی فراموش نہیں کی جاسکتی ہیں۔ یہ ان کی کوششوں کا ہی ثمرہ تھا کہ نظم نگاری کے لیے شعرا کی ایک جماعت اس مشاعرے میں شریک ہوئی اور ان سب کی اجتماعی کوششوں سے اردو نظم نگاری کے لیے راہیں ہموار ہوئیں۔ موضوعلتی مشاعرے سے اردو نظم نگاری کی جو تحریک شروع ہوئی اس کے اثرات اردو نظم پر بہت گہرے مرتب ہوئے۔

ANS 04

میرانیس کی مرثیہ نگاری کی خصوصیات

میرانیس کی مرثیہ نگاری میں چند بڑی خصوصیات یہ ہیں۔میرانیس اردو ادب کے ایسے شاعر گزرے ہیں جنہوں نے زمین سخن کو آسمان کردیا ہے۔جس طرح سودا نے قصیدہ گوئی میں کمال کرکے دکھایا ہے اسی طرح میرانیس نے بھی مرثیہ گوئی میں اپنا کمال کرکے دکھایا۔اس طرح بہت سے شعرا اردو ادب میں گزرے ہیں مثلا میرتقی میر نے غزل گوئی کو اپنا میدان بنا کر کمال دکھایا اردو ادب کو ترقی کی راہ سے گامزن کیا، اور اس میر حسن بھی مرثیہ نگاری میں کمال رکھتے ہیں اور بے مثل ہے۔میرانیس نے اپنے مرثیہ نگاری میں بہت سے نئے موضوعات شامل کیے ہیں اور اردو ادب میں ایک نیا رنگ دکھایا ہے جو اردو ادب کے لیے لازمی تھا۔اگر ہم مرثیہ نگاری کی میدان پر نظر رکھیں تو صاف پتا چلتا ہے کہ مرثیہ نگاری کی میدان کو میرانیس نے بہت وسیع کیا ہے۔نئے نئے خیالات اور کمالات سے روشن کیا ہے۔۔۔

میرانیس کی مرثیہ گوئی چند کمالات ذیل ہیں۔

مثلا میرانیس نے واقعہ کربلا کے کئی سو سال بعد صفوی دور میں فارسی شعرا نے مذہبی عقیدت کی بناء مرثیہ نگاری شروع کی جن میں محتشم کانام سرفہرست ہے اردو کے دکنی دور میں بے شمار لکھے گئے شمالی ہند گوئی کا آغاز ہوا۔لیکن سودا سے پہلے جتنے مرثیے لکھے گئے ان کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔سودا پہلے شاعر ہیں جنہوں نے اس کو فنی عظمت عطا کی اور مرثیے کے لیے مسدس کو مخصوص کردیا جس کی اور مرثیے کے لیے مسدس کو مخصوص کردیا۔

Downloaded From Tajassus.com

مناظرت فطرت کی عکاسی،

مناظرت فطرت کی عکاسی میں میر انیس نے مرثیہ میں مختلف قسم کے مضامین بیان کیے ہیں اور مختلف قسم کی تصویریں الفاظ کے زریعے کھینچ کر ایک دوسرے سے جدا ہیں۔ جس کی وجہ سے ان کے مرثیے مختلف تم کی تصویروں کے مرقعے نظر آتے ہیں۔ تصاویر ایک دوسرے سے جدا ہیں ۔ لیکن ان سے مرثیہ کی وحدت متاثر نہیں ہوتی۔ مثلا صبح کی تازگی شام کا سلونا رنگ، چاندنی رات کا پرکیف منظر، حد نظر تک سبزے سے ڈھکا فرش ، گرمی کی شدت وغیرہ جیسے مناظر ایک دوسرے سے الگ ہونے کے باوجود مرثیہ کے مختلف اجزاء ہیں۔ ان اشعار سے اندازہ اچھی طرح سے لگایا جاسکتا ہے کہ انیس کومناظر فطرت کی عکاکی کا کس قدر ملکہ حاصل ہے۔

صبح شفق سے چرخ پر جب لالہ زار صبح
گزار شب خزاں ہوا آئی بہار صبح
کرنے لگا فلک زر انجم نثار صبح
سرگرم ذکر ہوئے طاعت گزار صبح
تھا چرخ اخضری پہ رنگ آفتاب کا
کھلتا ہو جیسے پھول چمن میں گلاب کا

میرانیس کے بارے رام بابو سکسینہ کہتے ہیں کہ انیس کی شاعری جذباتِ حقیقی کاآئینہ تھی اور جس نیچرل شاعری کا آغاز حالی اور ازاد کے زمانے اے ہوا اس کی داغ بیل انیس نے ڈالی تھی انیس نے ڈالی تھی انیس نے مرثیہ کو ایک کامل حربہ کی صورت میں چھوڑا جس کا استعمال حالی نے نہایت کامیاٹ سے کیا۔ پروفیسر آل احمد سرور فرماتے ہیں کہ،

انیس کی شاعرانہ عظمت کو دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ انیس نے سلاموں اور مرثیوں میں وہ شاعری کی ہے جن میں بقول حالی حیرت انگیز جلوؤں کی کثرت ہے جن میں زچان پر فتح ہے جو شاعر کی قادر الکلامی جابے کی ہر لہر اور فن کی ہر موج کی عکاسی کر سکتی ہے۔ جس رزم کی ساری ہماہمی اور بزم کی ساری رنگینی لہجے کا اتار چڑھاؤ اور فطرت کا ہر نقش نظر آتا ہے ان کا دعویٰ جس طرح بے جا نہیں۔

جہاں گری کی تپش اور شدت وطمازت کا بیان کرتے ہیں تو انیس کے الفاظ لو دینے لگتے ہیں۔

تعریف میں چشمے کو سمندر سے ملا دوں
فطرت کو جودوں آب تو گوہر سے ملا دو
ذرے کی چمک مہر منور سے ملا دوں

Downloaded From Tajassus.com

کانٹوں کو نزاکت میں گل تر سے ملا دوں
گلدستہ معنی کو نئے ڈھنگ سے باندھو
اک پھول کا مضمون ہو تو سو رنگ سے باندھو
وہ لو وہ آفتاب کی شدت و تاب و تب
کالا تھا رنگ دھوپ سے دن کا مثال شب
خود نہر عقلمہ کے بھی سوکھے ہوئے تھے لب
خیمے جو تھے حبابوں کے تپتے سب کے سب
اڑتی تھی خاک خشک تھا چشمہ حیات کا
کھولا ہوا تھا دھوپ سے پانی فرات کا

ڈاکٹر وزیر آغا کہتے ہیں کہ "میر انیس کے ہاں صبح عاشور تخلیق کا پر تولیے برآمد ہوئی ہے"۔ اور ڈاکٹر وزیر آغا مذید کہتے ہیں کہ میر انیس شعر میں شمع کی تصویریں اس طرح کھینچتے ہیں کہ گمان گزرتا ہے کہ ابھی پروانے آکر گرنے لگے گے۔ وہ جنگ کا نقشہ بھی اس طرح بیان کرتے ہیں کے تلواریں چلتی اور خون بہتا ہوا نظر آتا ہے۔

میرانیس کے آخری آرام گاہ کی تصویر

مراثی انیس کے اجزائے ترکیبی۔

چہرہ،چہرہ مرثیہ کا پہلا جزو ہوتا ہے اس کی حیثیت تقریباً ایسی ہی ہے جیسے قصیدے میں تشبیب کی ہوتی ہے۔چہرہ سے مرثیہ گو اپنے مرثیہ کا آغاز کرتا ہے یہ آغاز مختلف نوعیت کا ہوسکتا ہے۔انہوں نے خدا اس مرثیہ میں دعا کی ہے۔ مثلا۔

یارب! چمن نظم کو گلزار ارم کر
اے ابرکرم! خشک زراعت پہ کرم کر
تو فیض کا مبدا ہے توجہ کوئی دم کر
گمنام کو اعجاز بیانوں میں رقم کر
جب تک یہ چمک مہر کے پر تو سو نہ جائے
اقلیم سخن میرے قلم رو سے نہ جائے

سراپا،

مرثیے کا دوسرا جزو سراپا ہوتا ہے جس میں کرداروں کے جسم، قدوقامت اعر خط وخال کا نقشہ کھینچا جاتا ہے۔ مثلا میرانیس کہتا ہے کہ،

Downloaded From Tajassus.com

گلدستہ حسین میں اکبر ساگلبدن
قربان جس کے تن کی نزاکت پہ یاسمن
سنبل کو لائے پیچ میں وہ زلف پر شکن
غل تھا کہ تنگ تر کہیں غنچے سے ہیں دہن
مطلب کھلا ہوا ہے خط سرسبز رنگ کا
بہ حاشیہ لکھا ہے اسی متن تنگ کا

رخصت،

مرثیہ کا تیسرا جزو رخصت ہے جب کوئی جنگ کے لیے جاتا ہے تو اہل بیت اس کو رخصت کرتے تھے جس کا ذکر ذیل کی سطور میں جارہا ہے۔حضرت زینب کے بچے علی پر ملاحظہ ہو۔

خیمے سے برآمد ہوئے زینب کے جو دلبر
دیکھا کہ حسین انب علی روتے ہیں در پر
بس جھک گئے تسلیم کو حضرت کی وہ صفدر
ننہ کرکے سوئے چرخ پکارے شہ بے پر
بچے بھی تیری راہ میں زینب کے پلے ہیں

آمد۔

آمد کو ہم مرثیہ کا چھوتھا جزو تصور کرتے ہیں اس میں مرثیہ گو کردار کی آمد پیش کرتا ہے اور اس کی شان وشوکت پر روشنی ڈالتا ہے میرانیس نے اپنے مرثیوں میں مختلف کرداروں کی آمد دکھائی ہے مثلا حسینی لشکر میں سب سے زیادہ بہادر حضرت عباس تھے اس یہ سبب ہوا کہ ان کا عید شباب تھا اس لیے ان کے بازوؤں میں بچوں بوڑھوں سے زیادہ طاقت تھی۔

رجز،

مرثیہ کا پانچواں جزورجز ہے جب کردار میدان جنگ میں آتا ہے تو وہ آباؤاجداد کی شجاعت جا بیان کرتا ہے۔اور اسی بہادری کا قصد اعدا کے دل میں بٹھاتا ہے۔مثلا میرانیس نے حضرت امام حسین رضی اللہ کے رجزخوانی میں ماہر تھے۔اس لیے حضرت امام حسین علیہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ۔

اعدا کی زبانو پہ یہ حیرت کی تھی تقدیر
حضرت یہ رجز پڑھتے تھے تو لے ہوئے شمشیر
دیکھو نہ مٹائو مجھے اے فرقہ بے پیر
میں یوسف کنعاں رسالت کی ہوں تصویر
واللہ تعلی نہیں یہ کلمہ حق ہے

Downloaded From Tajassus.com

عالم میں مرقع میں حسین ایک ذوق ہے

جنگ،

مرثیے کا چھٹا جزو جنگ قرار دیا جا سکتا ہے اس میں کربلا کی جنگ کا نقشہ کھینچا جاتا ہے۔ میرانیس نے عون ومحمد کی جنگ کا نقشہ یوں کھینچا ہے۔

میدان میں عجب شان سے وہ شیر آئے
گویا کہ بہم حیدر کی بہن و جعفر آئے
غل پڑگیا حضرت کی بہن کے پسر آئے
افلاک سے بالائے زمیں دوقمر آئے
یوسف سے فزوں حسن گراں مایہ ہے ان کا
یہ دھوپ بیاباں میں نہیں سایہ ہے ان کا

-

شہادت،

مرثیے کا ساتواں جزو شہادت ہے دراصل شہادت کا سلسلہ میدان کربلا سے قبل ہی شروع ہو جاتا ہے۔جب اہل جوفہ نے حضرت امام حسین کو اپنے وطن میں بیعت کے لیے بلایا تو انہوں نے اپنے چچا کے بیٹے مسلم بن عقیل کو کوفہ روانہ کیا۔وہاں اہل کوفہ نے ان کے ساتھ دغا کی اور ان کو شہید کردیا۔

بین،

بین کو ہم مرثیے کا آٹھواں جزو تصور کرسکتے ہیں اس حصہ میں شہدائے کربلا پر اہل بیت ماتم کرتے ہیں۔عورتیں سر کے بال کھول کر فریاد،فغاں کرتی ہیں۔اور مرد بھی رنج وغم کا اظہار کرتے ہیں۔مگر بین کا زیادہ تر تعلق مستورات کی گریہ وزاری سے ہیں۔

جذبات نگاری،

نگاری میرانیس نے جذبات انسانی کی تصویریں منہ بولتی ثبوت ہیں چند اشعار ملاحظہ ہو

بیٹے کی جدائی پر۔

حضرت علی اکبر میدان جنگ میں اترنے کے لیے اجازت مانگتے ہیں ایسے موقع پر میر انیس نے کچھ یوں خاکہ کھینچا ہے کتنی فنکاری اور مرثیہ کمالات سے۔

مومنوں مرنے کو ہم شکل نبیؐ جاناہے
دولت بازوئے بکس پر زوال آتا ہے
کیا الم ہے کہ جگر سینے میں تھراتا ہے
داغ بیٹے کا فلک باپ کو دکھلاتا ہے

Downloaded From Tajassus.com

ماں تڑپتی ہے شہ جن وبشر روتے ہیں
کس جواں بیٹے سے ماں باپ جدا ہوتے ہیں

باوفا بھائی کے آخری لمحات،

حضرت امام حسین نے جب اپنے بھائی علمدار لشکر حضرت عباس صدائے استغاثہ سنی تو اپنے بیٹے حضرت علی اکبر کے ساتھ فوج کی طرف بڑھے۔ اسی اضطراری کیفیت میں باوفا بھائی کی جو محبت سموئی ہوئی ہے وہ بیان سے باہر ہے۔حضرت امام حسین بیٹے کے ذریعے مضطرب و حیران بھائی کی پہنچتے ہیں جو دم توڑ رہا ہے۔

القصہ لئے باپ کو اکبر ترائی میں
زخمی ملا وہ شیر دلاور ترائی میں
میں پائی جو بوئے خون برادر اور ترائی میں
لاشے کے پاس گر پڑے سرور ترائی میں
گزرتی عمر ہاتھ جیسے جوڑتے ہوئے
دیکھا اسی کو خاک پہ دم توڑتے ہوئے

حضرت امام حسین کی آخری رخصت۔،

امام حسین آخری رخصت کو قیام اہل بیت میں تشریف لاتے ہیں۔ بیوی، بہنیں اور بیٹیاں ساتھ گھیرے ہوئے ہیں۔یہ منظر نہایت دلدوز ہے۔

تھرا رہے تھے پاؤں شہہ تشنہ کام کے
سردوش پر تھا زینب عالی مقام کے
فرماتے تھے بہن علی اکبر گزر گئے
ہم ایسے تخت جاں تھے کہ ابتک نہ مر گئے

میر انیس کی مصورانہ قدرت۔

میرانیس نے لفظوں کے زریعے ایسے زبردست مرقعے کھینچے ہیں جو شاید ایک مصور کا قلم اس بانکپن سے نہ کھینچ سکے۔ترائی کے علاقے میں جہاں زمین اونچی نیچی ہوتی ہے۔ایک چابکدست سوار کی سواری کا اس سے بہتر اور کیا منظر ہوسکتا ہے۔

برچھیوں اڑتا تھا دب دب فرس کر رانوں سے
آنکھ لڑ جاتی تھی دریا کے نگہبانوں سے

جب بچہ سہم جاتا ہے تو ماں باپ سے لیپٹ جاتا ہے۔یہ بچوں کی نفسیات ہیں۔ چناں چہ حضرت علی اصغر کے واپسی کے وقت کا منظر اس سے فطری اور حسب حال ہوسکتا ہے۔

دکھائی شکل اجل نے تو ڈر گئے اصغر

Downloaded From Tajassus.com

لیپٹ کے باپ کی چھاتی سے سہہ گئے اصغر

رزمیہ شاعری،

انیس نے رزمیہ شاعری اپنی پوری تابناکی کے ساتھ اردو زبان میں داخل کی۔وہ اس فن میں طاق نظر آتے ہیں۔ قاری کے سامنے تمام مناظرشدت ہولناکی کیفیت ، حرارت اور بہادری کے ساتھ سامنے آ جاتے ہیں ۔ میر انیس نے سینکڑوں انداز کے تلوار اور گھوڑے کی تعریف کی ہے۔ لیکن ہر بیان اپنے اندر ایک نیا انداز رکھتا ہے۔ اس رزمیہ شاعری میں وہ زور ہے کہ اسے دنیا کی بڑی سے بڑی شاعری کے مقابلے میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ انیس نے ہر جنگ میں تلوار اورگھوڑے کے نئے نئے ڈھنگ سے تعریف کی ہے۔

ہنگامہ جنگ،

میدان جنگ میں جب دور فوجیں ایک دوسرے سے ٹکرا رہی ہوتی ہیں ۔ میر انیس اس ہنگامے کا ذکر اس طرح کرتے ہیں۔

کا نے عبق زمیں کے پہلے چین لاجورد

مانند کہرا ہوا مٹی کا رنگ زرد

اٹھ کر زمیں سے بیٹھ گئی زلزلے میں گرد

تینوں کی آنچ وکھر کے بھاگی ہوائے سرو

سے ران کے پوش اڑے حوش وزیر کے

روزمرہ اور محاورہ،

میر انیس نے روزمرہ اور محاورہ کا استعمال بہت خوب صورت طریقے اور فنکارانہ طریقے سے کرتے ہیں اور ان کی مرثیہ گوئی میں جگہ جگہ روزمرہ اور محاوروں سے کام لیتے ہیں مثلا۔

گر کر کبھی اٹھے کبھی رکا زمین پر

اگلا کبھی لہو تو سنبھالا کبھی جگر

تشبیہات و استعارات کا استعمال،

میرانیس نے مرثیہ گوئی میں جگہ جگہ تشبیہات و استعارات کا استعمال کافی مہارت سے کیا ہے جس سے ان کی مرثیہ گوئی مذید نکھری اور سجی ہے۔

پیاسی جو تھی سپاہ خدا تین رات کی

ساحل سے سر ٹپکتی تھیں موجیں فرات کی

یوں برچھائیاں تھیں چار طرف اس جناب کی

جیسے کرن نکلتی ہے گرد افتاب کی

Downloaded From Tajassus.com

تلوار کی تیزی،

میرانیس نے جس طرح گھوڑے کی تیزرفتاری کی تعریف کی ہے اسی طرح تلوار کی تیزی کی بھی تعریف کرتا رہتا ہے مثلا۔

جس پر چلی وہ تیغ وہ دوپارہ کیا اسے
کھینچتے ہی چار ٹکڑے دوبارہ کیا اسے

سراپا نگاری،

میرانیس نے مختلف عمر کے لوگوں اس سراپا نگاری میں ان لوگوں کی بہترین تصویریں کینھچی ہیں۔مثلا وہ حضرت امام عباس رضی اللہ عنہ کے جواں مردی کا اظہار کرتے ہیں اور اس کے حسین وجمیل چہرے کے تعریف میں کہتے ہیں کہ ان کے چہرے سے جلال وجمال برس رہا ہے۔

تھا زیب سر عمامہ محبوب کبریا
مہتاب سے سفید تھی کاندھے پہ ایک عبا
پہنے قمیص حضرت یوسف تہہ قبا
باندھے ہوئے کمر میں کمر بند مرتضیٰ
داؤد کی زرہ شہہ عالی کے بر میں تھی
وہ ذوالفقار حیدر صفدر کمر میں تھی۔

ANS 05

مثنوی کی تعریف:

مثنوی کا لفظ مثنی سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں دو دو کے یا دو کیا گیا وغیرہ۔

شعری اصطلاح میں مثنوی اس کلام کو کہتے ہیں جس کے ہر شعر کے دونوں مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں اور ہر شعر کا قافیہ بقیہ اشعار کے قافیے سے مختلف ہوتا ہے البتہ مثنوی کے تمام اشعار ایک ہی بحر میں ہوتے ہیں۔

مثنوی کے اجزاء ترکیبی یہ ہیں:

حمد، نعت، منقبت، مناجات، مدح بادشاہ/امراء، تعریف سخن یا تعریف خامہ، سبب تالیف، اصل قصہ، اختتام،

مثنوی کے اقسام:

امداد امام اثر نے مثنوی کو موضوع کے اعتبار سے حسب ذیل حصوں میں تقسیم کیا ہے:

1. رزمی مضامین
2. بزمی مضامین

Downloaded From Tajassus.com

3. حکمت آموز مضامین
4. تصوف آموز مضامین
5. متفرق مضامین

مثنوی کے لئے عام طور پر 7 بحریں مروج ہیں۔
بحر کا لفظ مذکر ہے

مثنوی خارجی یا بیانیہ شاعری کی نمائندہ صنف ہے. مثنوی عربی زبان کا لفظ ہے لیکن یہ فارسی شعراء کی ایجاد ہے. مثنوی کو دکنی شعراء کی سب سے مرغوب اور محبوب صنف ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔

__شمالی ہند میں مثنوی:__

افضل کی ،، بکٹ کہانی،، کو شمالی ہند کی پہلی مستند مثنوی مانا جاتا ہے، بکٹ کہانی در حقیقت،، بارہ ماسہ،، ہے جس میں ایک بیوی اپنے شوہر کی جدائی میں ہر مہینے اپنے دل پر گزرنے والی کیفیات کا اظہار کرتی ہے۔

شیخ عبداللہ کی،، فقہ ہندی،، بھی اہم مثنوی ہے جس میں فقہی مسائل بیان کیا گیا ہے۔

محبوب عالم عرف شیخ جیون کی چار مثنویاں ہیں:

محشر نامہ، دردنامہ، خواب نامہ پیغمبر، دھیر نامہ بی بی فاطمہ۔

جعفر زٹلی کی مثنوی:

،، ظفرنامہ اورنگزیب شاہ عالم گیر بادشاہ غازی،، جس میں عالمگیر کی فتوحات کا ذکر ہے۔

دوسری مثنویاں،، در صفت پیری، طوطی نامہ، وغیرہ

فائز دہلوی کی مثنویاں:

مناجات، در مدح شاہ ولایت، تعریف پنگھٹ، تعریف ہولی، تعریف جوگن، وغیرہ

نجم الدین شاہ مبارک آبرو کی مثنوی،، آرائش معشوق یا آرائش خوباں،،

شاہ حاتم کی مثنویاں:

مثنوی سراپا، ساقی نامہ، وصف قہوہ، وصف تمباکو و حقہ، مثنوی بہاریہ مسمی بہ بزم عشرت،

سوال : بارہ ماسہ کسے کہتے ہیں؟

جواب: بارہ ماسہ مثنوی سے الگ ایک صنف ہے جس میں ہر مہینے کے حساب سے اشعار کہے جاتے ہیں۔

میر تقی میر غزل ہی کے نہیں مثنوی کے بھی مسلم الثبوت استاد ہیں۔ دریائے عشق اور شعلہ عشق میر کی شاہکار مثنویاں ہیں۔

Downloaded From Tajassus.com

شمالی ہند کے چار سرکردہ اور اہم مثنوی نگار ہیں:

1- میر تقی میر

2- میر حسن

3- نسیم

4- مرزا شوق

نواب مرزا شوق کی مثنویوں کے نام:

فریب عشق، بہار عشق، زہر عشق

پنڈت دیا شنکر نسیم کی مثنوی کا نام:

گلزار نسیم ہے۔

سودا کی عشقیہ مثنوی کا نام *،، قصہ پسر شیشہ گر و زرگر،،* ہے۔

کلیات مومن میں کل 12 مثنویاں ہیں.

،،قول غمگین،، مومن کی سب سے اچھی مثنوی ہے جو کہ عشقیہ ہے۔

دیا شنکر نسیم کی مثنوی،، گلزار نسیم کو میر حسن کے،، سحر البیان،، کے ہم پلہ سمجھا جاتا ہے۔

محمد حسین آزاد کی مشہور مثنوی،، شب قدر،، ہے تو حالی کی مشہور مثنوی،، نشاط امید،، ہے۔

دکن میں اردو مثنوی کا آغاز

بہمنی سلطنت دکن کی پہلی خود مختار سلطنت ہے اسکا بانی علاء الدین حسن بہمن شاہ تھا یہ سلطنت 1347ء میں قائم ہوئی اور تقریباً 2 سو برس تک قائم رہی۔

دکن میں اردو مثنوی کا باضابطہ آغاز بہمنی عہد سے ہوتا ہے اور وہ فخر دین نظامی بیدی کی مثنوی،، کدم راؤ پدم راؤ،، ہے۔

اسی عہد کی ایک اور اہم مثنوی اشرف بیابانی کی،، نوسرہار،، ہے۔

میراں جی شمس العشاق بہمنی عہد کی ایک ممتاز شخصیت ہیں جنہوں نے اسرار و رموز و معرفت کو اپنی منظومات کا موضوع بنایا اور،، خوش نامہ، خوش نغز، شہادت التحقیق، مغز مرغوب، اور،، چہار شہادت،، یہ سب منظومات مثنوی کی ہیئت میں لکھی ہیں۔

بہمنی سلطنت کے زوال کے بعد 5 سلطنتیں وجود میں آئیں۔

1- بیجاپور میں عادل شاہی سلطنت

2- گولکنڈہ میں قطب شاہی سلطنت

3-أحمد نگر میں نظام شاہی سلطنت

Downloaded From Tajassus.com

4- بیدر میں بریدشاہی سلطنت

5- برار میں عمادشاہی سلطنت

ان میں عادل شاہی اور قطب شاہی خاندانوں نے اردو زبان کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا۔

عادل شاہی سلطنت کی بنیاد 1490ء میں پڑی اس کا بانی یوسف عادل جاں تھا۔

تقریباً 2 سو سال انکی حکومت رہی 9 بادشاہوں نے حکومت کی پھر 1686ء میں اورنگزیب عالمگیر نے بیجا پور کو فتح کر لیا اور عادل شاہی حکومت کا خاتمہ ہوگیا۔

إبراهیم عادل شاہ ثانی جس کو،، جگت گرو،، بھی کہتے ہیں اسے علم وأدب اور موسیقی کا بہت شوق تھا اس کے زمانے میں بیجا پور علم و ادب کا گہوارہ بن گیا تھا۔

اس نے گیتوں کا ایک مجموعہ،، نورس،، کے نام سے لکھا تھا۔

بیجا پور کی اولین شعری کاوشوں میں برہان الدین جانم کی منظومات آتی ہیں. برہان الدین جام، میراں جی شمس العشاق کے فرزند ہیں۔

،، ابراہیم نامہ،، ابراہیم عادل شاہ ثانی کے درباری شاعر عبدل کا شعری کارنامہ ہے۔

دکنی کی قدیم مثنویوں میں محمد عاجز کی مثنویاں،، یوسف زلیخا، لیلی مجنون، قابل ذکر ہیں۔

مقیمی کی،، چندر بدن و مہیار،، بیجا پور کی پہلی عشقیہ مثنوی ہے۔

کمال خاں رستمی کا،، خاور نامہ،، اور ملک خوشنود کی مثنوی،، جنت سنگار،، بھی اہم ہے۔

اسی طرح صنعتی کی مثنوی،، قصہ بے نظیر،، بھی اہم ہے۔

حسن شوقی کی دو مثنویاں،، فتح نامہ نظام شاہ،، اور ،،میزبانی نامہ،، ہیں۔

علی عادل شاہ ثانی کے درباری شاعر نصرتی کی مثنویاں درج ذیل ہیں۔

گلشن عشق (عشقیہ) ہے اور علی نامہ اور تاریخ اسکندری (یہ دونوں رزمیہ ہیں)۔

علی عادل شاہ ثانی کے عہد کا ایک اور اہم شاعر ہاشمی ہے. وہ ریختی کا صاحب دیوان شاعر ہے اسکی مشہور مثنوی،، یوسف زلیخا،، ہے۔

قطب شاہی عہد میں مثنوی

قطب شاہی عہد کا بانی قلی قطب شاہ تھا اس نے 1518ء میں خود مختار ریاست قائم کیا اور گولکنڈہ کو دارالحکومت بنایا اس کے 8 حکمران ہوئے بالآخر 1687ء میں اورنگزیب عالمگیر نے گولکنڈہ کو بھی فتح کرلیا۔

ابراہیم قطب شاہ کے عہد میں فیروز، محمود اور ملا خیالی جیسے اساتذہ داد سخن دے رہے تھے۔

احمد گجراتی کی مثنوی،، یوسف زلیخا،، کو دبستان گولکنڈہ کی پہلی ادبی کاوش کہا جاسکتا

Downloaded From Tajassus.com

ہے۔

وجہی کی مثنوی، قطب مشتری، ہے غواصی کی تین مثنویاں ہیں: مینا ستونتی ،سیف الملوک و بدیع الجمال ،اور، طوطی نامہ۔ ابن نشاطی کی مثنوی، پھول بن، ہے قطب شاہی عہد کے آخری بادشاہ ابو الحسن تانا شاہ کے عہد کی مثنویوں میں طبعی کی مثنوی، بہرام و گل اندام، ایک اہم مثنوی ہے۔ قطب شاہی عہد کی آخری مثنوی فائز کی، رضوان شاہ و روح افزا، ہے

Downloaded From Tajassus.com